Al-Milal (July-December 2025)

Vol. 7, No. 2 ISSN: 2663-4392

آسان ترجمۂ قرآن میں مولانا محمد تقی عثمانی کی تفسیری ترجیحات: منتخب مقامات کی تالیف و مطالعہ

Tafsirī Preferences of Maulana Muhammad Taqi Usmani in *Āsān Tarjumah-e-Qur'ān*: A Compilation and Study of Selected Passages

Syed Matin Ahmed Shah [1]

Abstract: This study examines the exegetical preferences of the contemporary Islamic scholar Maulana Muhammad Taqi Usmani as reflected in his *Āsān Tarjumah-yi Qur'ān* (*The Simple Translation of the Qur'an*), particularly in its concise interpretive notes. It explores the principles and methodological bases by which he evaluates and selects among divergent exegetical opinions, demonstrating that his approach remains firmly grounded in the classical Sunni exegetical tradition while ensuring linguistic clarity and accessibility for contemporary readers. Drawing on selected examples from his interpretive notes, the study identifies five major grounds of exegetical preference adopted by Usmani: (1) corroboration through parallel Qur'anic passages; (2) support from ḥadīth reports and the statements of the early authorities; (3) linguistic and grammatical considerations; (4) reliance on the consensus or predominant interpretations of recognized exegetes; and (5) interpretive restraint in matters concerning the dignity and status of the Prophets. In certain instances, Usmani presents multiple interpretations without assigning preference to any one of them, thereby acknowledging legitimate diversity in the interpretation of Qur'anic expressions. The study concludes that Usmani's exegetical methodology represents a balanced synthesis of traditional scholarship and contemporary communicative clarity. It reflects both fidelity to the classical exegetical heritage and sensitivity to the intellectual and linguistic needs of modern readers.

Keywords: Maulana Muhammad Taqi Usmani, *Āsān Tarjumah-yi Qur'ān*, Qur'anic Exegesis, *Tafsīr*, Exegetical Preferences, Classical Exegesis; Linguistic Analysis.

---

[1] Assistant Professor, Islamic Research Institute, International Islamic University, Islamabad, mateen.ahmad@iiu.edu.pk

تمہید

اس مقالے میں عصرِ حاضر کے نام ور عالم مولانا محمد تقی عثمانی کے آسان ترجمۂ قرآن تشریحات کے ساتھ میں ان کے اختیار کردہ تفسیری اقوال کا مطالعہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان کے یہ اختیارات یا ترجیحات مختلف بنیادوں پر قائم ہیں، جیسا کہ مقالے میں تفصیل سے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں ان کی مختصر تفسیر کے منتخب مقامات کو شامل کیا گیا ہے۔ بعض جگہوں پر کچھ دیگر مفسرین کی آرا بھی نقل کی گئی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مفسرین اپنے ذوق اور اجتہاد سے مختلف اقوال کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس مطالعے سے پہلے تفسیر میں ترجیح سے متعلق بعض بنیادی مباحث ذکر کیے گئے ہیں۔

مقالے کے مندرجات حسبِ ذیل ہیں:

تمہید

مولانا تقی عثمانی کی مختصر سوانح

ترجیح کا مفہوم

ترجیح کی ضرورت کب پیش آتی ہے؟

مولانا تقی عثمانی کی تفسیری ترجیحات

مولانا تقی عثمانی کی مختصر سوانح

مولانا تقی عثمانی کی سوانح عمری کسی شخص نے نہیں لکھی۔ عام طور پر یہ کام بڑی شخصیات کی وفات کے بعد کیا جاتا ہے، تاہم بہت سی شخصیات اپنی زندگی ہی میں اپنی خود نوشتیں تحریر کر دیتی ہیں، جن سے ان کے احوالِ زندگی، سرگرمیوں اور علمی و عملی مشغولیات کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ شخصیات کی یہ خود نوشتیں ان کے بارے میں معتبر ترین مآخذ ہوتی ہیں، چناں چہ مولانا تقی عثمانی نے اپنی ادارت میں نکلنے والے دارالعلوم کراچی کے ترجمان مجلے البلاغ میں ماہِ صفر المظفر 1439ھ کے شمارے سے اپنی خود نوشت "یادیں" کے نام سے تحریر کرنا شروع کی جس کی متعدد اقساط شائع ہوئیں۔ یہاں اس سے ان کی زندگی سے متعلق بعض امور نہایت اختصار کے ساتھ نقل کیے جاتے ہیں۔ خود نوشت میں اسلوبِ ادا چوں کہ صیغۂ متکلم کے ساتھ ہوتا ہے، یہاں اسے صیغۂ غائب کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

مولانا تقی عثمانی 5 شوال 1362ھ بہ مطابق 3 اکتوبر 1943ء کو دیوبند میں پیدا ہوئے۔[2] ان کے والدِ گرامی مولانا مفتی محمد شفیعؒ ایک جید عالمِ دین تھے اور والدہ ماجدہ نفیسہ خاتونؒ ایک مثالی ماں اور گھریلو عورت تھیں۔[3] آٹھ بہن بھائیوں میں مولانا سب سے

---

[2]- محمد تقی عثمانی، "یادیں" در البلاغ، کراچی (صفر المظفر 1439ھ / نومبر 2017ء)، 89۔ البلاغ کے شمارے ربیع الاول 1439ھ کے ص 30 پر اعتذار شائع کیا گیا ہے کہ صفر 1439ھ کے شمارے میں تاریخ پیدائش غلط طور پر 1343ھ درج ہو گئی ہے جب کہ صحیح 1462ھ ہے۔

[3]- محمد تقی عثمانی، "یادیں"، نفسِ مرجع (ربیع الاول، 1439ھ)، 23۔

چھوٹے ہیں۔ جمعۃ الوداع 27 رمضان المبارک 1366ھ بہ مطابق 14 اگست 1947ء کو جب پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو مولانا کی عمر چار سال سے آٹھ دن کم تھی۔[4] یکم مئی 1948ء کو آدھے خاندان نے دیوبند سے پاکستان (کراچی) ہجرت کی۔[5] کراچی میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ہاں قاعدۂ بغدادی کی بسم اللہ ہوئی۔[6] مولانا نور احمدؒ کے ہاں ناظرہ قرآن اور بہشتی گوہر کی تعلیم شروع ہوئی۔ ناظرہ قرآن کی تکمیل کے ساتھ کچھ چیزیں اپنے والد گرامی سے پڑھیں۔ ابتدائی تعلیم کچھ غیر مربوط طور پر جاری رہی، یہاں تک کہ 11 شوال 1371ھ بہ مطابق 3 جولائی 1952ء کو دارالعلوم کراچی نے ایک منظم ادارے کے طور پر کام شروع کیا تو مولانا کی اس میں باقاعدہ تعلیم شروع ہوئی۔ 1960ء میں مولانا کی دورۂ حدیث سے فراغت ہوئی۔[7] شوال 1379ھ سے تدریس، فتویٰ، تصنیف اور انگریزی تعلیم کا آغاز ہوا۔[8] انگریزی تعلیم میں 16 اپریل 1966ء کو بیچلر آف اورئینٹل لرننگ کی ڈگری ملی جو بی اے کے برابر تھی۔[9] اس کے بعد قانون کی تعلیم کی طرف توجہ کی اور 21 جون 1969ء کو ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔[10] اس کے بعد 1972ء میں ایم اے عربی کی تکمیل کی۔[11] تدریس کے دوران میں فتویٰ نویسی اور عصری تعلیم کے بعد تصانیف کا سلسلہ شروع ہوا اور متعدد موضوعات پر کئی چھوٹی بڑی تصانیف کیں۔ 1967ء میں دارالعلوم کراچی کا ترجمان ماہ نامہ البلاغ کا اجرا عمل میں آیا اور مولانا اس کے مدیر مقرر ہوئے اور ہنوز اس منصب پر قائم ہیں۔[12] ان کے بڑے علمی کاموں میں سے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی صحیح مسلم کی عربی شرح فتح الملہم کی تکمیل ہے جس کا نام تکملة فتح الملهم ہے۔ آپ اسلامی نظریاتی کونسل، وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کے شریعہ اپیلٹ بنچ سے بھی وابستہ رہے۔ آپ کی ایک اہم وابستگی مجمع الفقه الإسلامي سے بھی رہی ہے۔ آپ کی ایک بہت اہم اور مشہور خدمت بینکوں کے مالی نظام کو سود سے پاک کرنے کی کاوشوں سے عبارت ہے جس میں آپ ایک اتھارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے قلم سے متعدد کتابیں اور مقالات نکلے ہیں۔ اس ضمن میں آپ کا کئی مالیاتی اداروں سے تعلق رہا ہے۔ اس سفر کی تفصیلی روداد آپ نے "یادیں" میں رقم کی ہے جو البلاغ کے مختلف شماروں میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ ان خدمات کے ساتھ اللہ کی کتاب سے بھی آپ کا تعلق رہا ہے جو اپنے والد ماجد مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی تفسیر معارف القرآن کے انگریزی ترجمے

---

[4]۔ محمد تقی عثمانی، "یادیں"، نفسِ مرجع (جمادی الاولی، 1439ھ)، 22۔

[5]۔ محمد تقی عثمانی، "یادیں"، نفسِ مرجع (جمادی الثانیہ، 1439ھ)، 17۔

[6]۔ محمد تقی عثمانی، "یادیں"، نفسِ مرجع (رجب المرجب، 1439ھ)، 21۔

[7]۔ محمد تقی عثمانی، "یادیں"، نفسِ مرجع (رمضان المبارک، 1440ھ)، 29۔

[8]۔ محمد تقی عثمانی، "یادیں"، نفسِ مرجع (شوال المکرم، 1440ھ)، 13۔

[9]۔ محمد تقی عثمانی، "یادیں"، نفسِ مرجع (شعبان المعظم، 1441ھ)، 29۔

[10]۔ محمد تقی عثمانی، "یادیں"، نفسِ مرجع (رمضان المبارک، شوال المکرم، 1441ھ)، 34۔

[11]۔ محمد تقی عثمانی، "یادیں"، نفسِ مرجع (رمضان المبارک، شوال المکرم، 1441ھ)، 35۔

[12]۔ محمد تقی عثمانی، "یادیں"، نفسِ مرجع (ذیقعدہ، 1441ھ)، 18۔

کے علاوہ قرآن کے اردو اور انگریزی ترجمے اور تفسیری حواشی کی صورت میں سامنے آئی ہے۔ اردو ترجمے کا نام توضیح القرآن یعنی آسان ترجمۂ قرآن ہے۔ زیرِ نظر مقالہ اسی تفسیری خدمت میں تفسیری اقوال میں ترجیح و اختیار کے پہلو کے مطالعے سے عبارت ہے۔

ترجیح کا مفہوم

ترجیح کا مطلب یہ ہے کہ اقوالِ تفسیریہ میں سے کسی قول کو دوسرے پر دلیل کے ذریعے تقویت دی جائے یا دوسرے اقوال کو ضعیف قرار دیا جائے۔ دلیل میں خود آیت کی دلالت، سیاق و نظم، یا خارجی دلائل جیسے حدیث یا اقوالِ سلف وغیرہ مراد ہیں۔

ترجیح کی ضرورت کب ہوتی ہے؟

تفسیری ترجیح کا مسئلہ وہاں درپیش ہوتا ہے جہاں آیات کے معنیٰ اور مراد میں اختلاف واقع ہوتا ہے۔ اس اختلاف کی وجہ معنیٰ کا تعدد ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم اپنی شانِ اعجاز کی وجہ سے اپنے الفاظ میں معانی کے تعدد کا احتمال رکھتا ہے۔ اس تعدد کے اسباب مختلف ہوتے ہیں؛ کبھی سلف سے کسی نص کی تفسیر میں اقوال منقول ہوتے ہیں تو ان کے طرق میں اختلاف ہوتا ہے۔ کبھی خود نص میں عربیت کے پہلو سے اس بات کی گنجائش موجود ہوتی ہے کہ معنیٰ ایک سے زائد ہو۔ کبھی ایسے ہوتا ہے کہ علما کا نصوص کے سیاق کا فہم مختلف ہوتا ہے اور کبھی نصوص کے اسبابِ نزول میں تعدد ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مفسر کا ذاتی ذوق و اجتہاد بھی اس میں کارفرما ہوتا ہے۔ محمد حسین الحربی اس اختلاف کی مختلف انواع شمار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

إما أن تكون جميع الأقوال محتملة في الآية وبقوة الاحتمال نفسها أو قريبا منه، ومن نصوص القرآن والسنة ما يشهد لكل واحد منها.وإما أن تكون الأقوال متعارضة مع بعضها يتعذر حمل الآية عليها جميعا.وإما أن تكون الأقوال ليست متعارضة مع بعضها، وإنما يكون بعضها معارضا لدلالة لآيات قرآنية، أو لنصوص صحيحة من السنة ، أو لإجماع الأمة.وإما أن تكون الأقوال المختلفة في الآية ليس بينها تعارض-لا مع بعضها ولا مع آيات أو أحاديث أو إجماع-وهي محتملة، غير أن بعضها أولى من بعض، لاعتبارات...[13]

(یا تو تمام اقوال کا آیت میں احتمال ہو، اور خود احتمال کی قوت سے یا اس احتمال کے قریب، اور قرآن و سنت کی نصوص کے دلائل ان میں سے ہر ایک کی تائید کرتے ہوں۔ یا یہ کہ اقوال باہم دگر متعارض ہوں اور ان پر آیت کو محمول کرنا ممکن نہ ہو۔ یا یہ کہ اقوال باہم متعارض نہ ہوں، بلکہ ان میں سے بعض اقوال آیاتِ قرآنیہ، یا سنت کی صحیح نصوص کی دلالت یا اجماعِ امت سے متعارض ہوں، یا یہ کہ آیت کے بارے میں مختلف اقوال میں باہم تعارض نہ ہو – نہ بعض کے ساتھ اور نہ آیات، احادیث یا اجماع کے ساتھ وہ متعارض ہوں – اور ان اقوال کا احتمال ہو، اگرچہ مختلف وجوہ سے ان میں سے بعض، بعض سے اَولیٰ ہوں۔)

---

13 ۔ حسین بن علی بن حسین الحربی، قواعد الترجيح عند المفسرين :دراسة نظرية تطبيقية(الریاض:دار القاسم، 1996ء)، 1:42۔

Al-Milal (July-December 2025)
Vol. 7, No. 2 ISSN: 2663-4392

یہ تعدد اس بات کا مُقتَضِی ہوتا ہے کہ ان اقوال میں ترجیح قائم کی جائے۔ یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رکھنے کی ہے کہ مفسرین کے تفسیری اقوال میں اختلاف کی دو قسمیں ہیں جنھیں علامہ ابن تیمیہؒ اختلاف تنوع اور اختلافِ تضاد سے تعبیر کرتے ہیں۔ (14)

مولانا تقی عثمانی کی تفسیری ترجیحات

اردو زبان میں قرآن کریم کے متعدد ترجے اور تفاسیر موجود ہیں۔ اس ذخیرے میں مختصر، متوسط اور طویل، ہر نوع کا کام موجود ہے۔ مفسرین نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق یہ تفاسیر رقم کی ہیں، جن کے اپنے اپنے مناہج ہیں، تفسیری ترجیحات ہیں، اپنے فکری اور علمی پس منظر سے وابستگی کا عنصر نمایاں ہے، وغیرہ۔ مفسرین عموماً اپنے مناہجِ تفسیریہ کو اپنی تفاسیر کے مقدمات میں بیان کرتے ہیں۔ اس مقالے میں مولانا محمد تقی عثمانی کے آسان ترجمۂ قرآن کی تفسیری ترجیحات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ اس کے پیش لفظ میں اپنے منہجِ ترجیح کو یوں بیان کرتے ہیں:

> ''۔۔جہاں قرآنِ کریم کے الفاظ میں ایک سے زیادہ تفسیروں کا احتمال ہے، وہاں یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ ترجمے کے الفاظ میں بھی وہ احتمالات باقی رہیں۔ اور جہاں ایسا ممکن نہ ہو سکا، وہاں سلف کے مطابق جو تفسیر زیادہ راجح معلوم ہوئی، اس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔ تفسیری حواشی میں صرف اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ترجمہ پڑھنے والے کو جہاں مطلب سمجھنے میں کچھ دشواری ہو، وہاں وہ حاشیہ کی تفسیر سے مدد لے سکے، لمبے تفسیری مباحث اور علمی تحقیقات کو نہیں چھیڑا گیا، کیوں کہ اس کے لیے بفضلہ تعالیٰ مفصل تفسیریں موجود ہیں۔ البتہ ان مختصر حواشی میں چھنی چھنائی بات عرض کی گئی ہے جو بہت سی کتابوں کے مطالعے کے بعد حاصل ہوئی ہے۔''(15)

مولانا تقی عثمانی کے آسان ترجمۂ قرآن میں ترجیحاتِ تفسیریہ کو دیکھیں تو اس کی مختلف صورتیں نظر آتی ہیں، جن کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

1- قرآنی نظائر کی تائید کی بنیاد پر ترجیح

قرآن کی تفسیر کے بارے میں یہ بنیادی اصول تمام مفسرین کے ہاں مسلم ہے کہ قرآن کی تفسیر خود اس کے نظائر سے کی جائے؛ کیوں کہ جو بات ایک جگہ مجمل ہوتی ہے، دوسری جگہ اس کی تفصیل کر دی جاتی ہے۔ مولانا تقی عثمانی بھی اپنے آسان ترجمۂ قرآن اور مختصر تفسیر میں اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اس کی کچھ مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

---

[14]- تقی الدین ابو العباس ابن تیمیہ الحرانی، مقدمة في أصول التفسير (بیروت: دار مكتبة الحياة، 1980ء)، 11۔

[15]- محمد تقی عثمانی، آسان ترجمۂ قرآن (کراچی: مکتبہ معارف القرآن، 2022ء)، 8۔

1- سورۂ ہود میں ارشاد ہے: { وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ } [ہود: 71](اور ابراہیم کی بیوی کھڑی ہوئی تھیں، وہ ہنس پڑیں، تو ہم نے انھیں (دوبارہ)اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی پیدائش کی خوش خبری دی۔)

مولانا تقی عثمانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:"ہنسنے کی وجہ بعض مفسرین نے تو یہ بیان کی ہے کہ جب انھیں اطمینان ہو گیا کہ یہ فرشتے ہیں، اور خطرے کی کوئی بات نہیں ہے، تو وہ خوشی کی وجہ سے ہنس پڑیں، لیکن زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ بیٹے کی خوش خبری سن کر ہنسی تھیں۔ سورۂ حجر (53:15) اور سورۂ ذاریات (51:29-30) میں بیان فرمایا گیا ہے کہ فرشتوں نے بیٹے کی خوش خبری پہلے دی تھی اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کا ذکر بعد میں کیا تھا۔ اس پر انھیں تعجب ہوا اور خوشی بھی اور ان کو ہنستا دیکھ کر فرشتوں نے دوبارہ خوش خبری دی۔"[16] یہاں مصنف نے مفسرین کے دو قول بیان کیے ہیں اور قرآنی نظائر کی روشنی میں دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔

2- سورۂ تکویر میں ارشادِ خداوندی ہے: { وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ } [التکویر:7]

اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے:"اور جب لوگوں کے جوڑے جوڑے بنا دیے جائیں گے۔" اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:"یعنی ایک قسم کے لوگ ایک جگہ جمع کر دیے جائیں گے۔ کافر ایک جگہ اور مومن ایک جگہ، نیز نیک لوگ ایک جگہ اور بدکار ایک جگہ۔"[17]

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں: پہلا قول حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہر انسان کو اس کی شکل کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور اس کے جو ساتھی ہوں گے، انھیں آپس میں اکٹھا کر دیا جائے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ارواح کو ان کے جسموں کی طرف لوٹا کر گویا ان کے جوڑے بنا دیے جائیں گے۔ علامہ ابن جریر طبریؒ یہ دو قول نقل کر کے قرآن کے حسبِ ذیل نظائر اس کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ ارشاد ہے: {وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً} [الواقعة: 7] نیز ارشاد ہے: { احْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ } [الصافات:22][18]

امام طبریؒ کے ان اقوال اور قرآنی نظائر سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا عثمانی یہاں پہلا قول مراد لے رہے ہیں؛ چناں چہ قرآنی نظائر بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔

---

[16]- عثمانی، نفسِ مصدر، 453، 454۔

17- عثمانی، مصدرِ سابق، 1169۔

[18]- محمد بن جریر بن یزید ابو جعفر الطبری، جامع البيان في تأويل القرآن، ت: احمد محمد شاکر (بیروت: مؤسسة الرسالة، 2000ء)، 24:246۔

3- سورۃ المؤمنون میں ارشاد باری ہے:{فَأَرۡسَلۡنَا فِيهِمۡ رَسُولٗا مِّنۡهُمۡ أَنِ ٱعۡبُدُواْ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنۡ إِلَٰهٍ غَيۡرُهُۥٓۚ أَفَلَا تَتَّقُونَ}[المؤمنون 32:23]

اس آیت کا ترجمہ و تفسیر مولانا تقی عثمانی کے قلم سے یوں ہے:"اور ان کے درمیان انھی میں کے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا(جس نے کہا) کہ:اللہ کی عبادت کرو،اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔بھلا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟"

"یہاں قرآنِ کریم نے پیغمبر کا نام نہیں لیا،لیکن زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت صالح علیہ السلام ہیں،جنھیں قومِ ثمود کی طرف بھیجا گیا تھا،کیوں کہ آگے آیت نمبر 40 میں فرمایا گیا ہے کہ ان کی قوم کو چنگھاڑ سے ہلاک کیا گیا تھا اور بعض مفسرین نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ شاید حضرت ہود علیہ السلام مراد ہوں،جنھیں قومِ عاد کی طرف بھیجا گیا تھا اور چنگھاڑ سے مراد ہوا کا وہ عذاب ہے جس کے ساتھ یقیناً خوف ناک آواز بھی ہو گی۔ان دونوں قوموں کے واقعات سورۂ اعراف(7:65،73)اور سورۂ ہود(11: 50،61)میں گزر چکے ہیں۔"[19]

یہاں مصنف نے آیت 40 کی روشنی میں قومِ ثمود مراد لینے کو ترجیح دی ہے تاہم دیگر مفسرین کے موقف کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔

یہاں کس کی طرف رسول کے بھیجنے کا ذکر ہے؟اس کی تعیین میں مفسرین میں سے بعض نے دونوں،قومِ ثمود اور قوم عاد،کا ذکر کیا ہے۔مولانا اشرف علی تھانویؒ،مولانا امین احسن اصلاحیؒ اور پیر کرم شاہ الازہریؒ نے دونوں ہی اقوام مراد لی ہیں۔[20] مولانا مودودیؒ نے قومِ عاد کو ترجیح دی ہے۔[21] علامہ طاہر ابنِ عاشورؒ نے،مولانا تقی عثمانی کی طرح قرآنی نظائر کی روشنی میں قومِ ثمود کو مراد لینے کو اظہر قرار دیا ہے۔[22]

2- احادیث و آثارِ صحابہ و تابعین کی روشنی میں ترجیح قائم کرنا

1- سورۂ نور میں ایک آیت کا ٹکڑا ہے:{أَوۡ نِسَآئِهِنَّ}[النور 31:24](یا اپنی عورتوں کے۔)

"بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں،لہٰذا غیر مسلم عورتوں سے بھی پردہ ضروری ہے،لیکن چوں کہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ غیر مسلم عورتیں ازواج مطہرات کے پاس جایا کرتی تھیں،اس لیے امام رازیؒ اور علامہ

19- تقی عثمانی،مصدرِ سابق،676،677۔

20- اشرف علی تھانوی،بیان القرآن(ملتان:ادارہ تالیفات اشرفیہ،1429ھ)،2:539۔؛محمد کرم شاہ الازہری،ضیاء القرآن(لاہور،ضیاء القرآن پبلیکیشنز،2011ء)،3:254۔؛امین احسن اصلاحی،تدبرِ قرآن(لاہور:فاران فاؤنڈیشن،2005ء)،5:317۔

21- سید ابو الاعلی مودودی،تفہیم القرآن(لاہور:ادارہ ترجمان القرآن،2010ء)،3:277۔

22- طاہر ابنِ عاشور،التحریر والتنویر(بیروت:مؤسسة التاریخ،س ن)،18:41۔

Al-Milal (July-December 2025)
Vol. 7, No. 2 ISSN: 2663-4392

آلوسیؒ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ "اپنی عورتوں" سے مراد اپنے میل جول کی عورتیں ہیں، چاہے مسلمان ہوں یا کافر۔ ان سے پردہ واجب نہیں۔(معارف القرآن)"[23]

یہاں مصنف نے احادیث کی بنیاد پر راجح تفسیر کو اختیار کیا ہے اور اس کی مزید وجہ ترجیح یہ بھی ہے کہ اسے رازیؒ و آلوسیؒ جیسے معتبر مفسرین نے بھی اختیار کیا ہے۔

2- سورۂ اعراف میں ارشادِ باری ہے:{وَاخْتَارَ مُوسَى قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِمِيقَاتِنَا}[الأعراف:155]

(اور موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمی منتخب کیے تا کہ انھیں ہمارے طے کیے ہوئے وقت پر (کوہِ طور) لائیں۔)

اس کی تفسیر میں مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"ستر آدمیوں کو کوہِ طور پر لے جانے کی کیا وجہ تھی؟ اس کے بارے میں مفسرین نے مختلف رائیں ظاہر کی ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ بچھڑے کی عبادت کا جو عظیم جرم بنی اسرائیل سے سرزد ہوا تھا، اس پر توبہ کرانے کے لیے انھیں کوہِ طور پر بلایا گیا تھا، لیکن اگر یہ بات تھی تو ان پر زلزلہ مسلط کرنے کی کوئی معقول توجیہ واضح نہیں ہوتی اور جو توجیہات کی گئی ہیں، تکلف سے خالی نہیں ہیں۔ لہٰذا صحیح بات وہ معلوم ہوتی ہے جو بعض روایات میں آئی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر آئے اور بنی اسرائیل کو اس پر عمل کرنے کا حکم دیا تو ان میں سے بعض نے کہا کہ ہمیں اس بات کا یقین کیسے آئے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ ہی نے نازل کی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ قوم کے ستر نمائندے منتخب کر کے انھیں کوہِ طور پر لے آئیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ وہاں ان کو اللہ تعالیٰ کا کلام سنا دیا گیا، لیکن اب انھوں نے اپنے مطالبے کو بڑھا کر یہ کہا کہ ہمیں تو اس وقت تک یقین نہیں آئے گا جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو کھلی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ اس معاندانہ مطالبے کی وجہ سے ان پر بجلی کا کڑکا ہوا جس نے زلزلے کی کیفیت پیدا کر دی اور وہ سب بے ہوش ہو گئے۔ واقعے کی یہ توجیہ خود قرآنِ کریم کی تصریحات سے مطابقت رکھتی ہے۔ سورۂ بقرہ(2:55، 56) اور سورۂ نساء(4:153) میں بنی اسرائیل کا یہ مطالبہ بیان فرمایا گیا ہے کہ ہمیں کھلی آنکھوں اللہ تعالیٰ کا دیدار کراؤ اور یہ کہ ہم اس وقت تک تورات کو نہیں مانیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو خود نہ دیکھ لیں۔ اور یہ بات بھی ان دونوں آیتوں میں مذکور ہے کہ ان کے اس مطالبے پر انھیں ایک کڑکے نے آ پکڑا تھا۔ غالباً اسی کڑکے کے نتیجے میں وہ زلزلہ آیا جس کا یہاں ذکر فرمایا گیا ہے۔"[24]

یہاں مصنف نے مختلف توجیہات میں سے اس توجیہ کو اختیار کیا ہے جو روایات سے زیادہ قریب ہے۔ مزید برآں اس کی تائید قرآن کے دیگر نظائر سے بھی ہوتی ہے۔ اس مثال کو ہم پہلے عنوان کے تحت بھی رکھ سکتے ہیں، کیوں کہ وجوہِ ترجیح میں اکثر تداخل بھی پایا جاتا ہے۔

23- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 694۔

24- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 330، 331۔

3- سورۂ حج میں ارشادِ خداوندی ہے: {مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ}[الحج15:22]

اس کے ترجمہ و تفسیر میں مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"جو شخص یہ سمجھتا تھا کہ اللہ دنیا اور آخرت میں اس (پیغمبر) کی مدد نہیں کرے گا، تو وہ آسمان تک ایک رسی تان کر رابطہ کاٹ ڈالے، پھر دیکھے کہ کیا اس کی یہ تدبیر اس کی جھنجلاہٹ دور کر سکتی ہے؟"

"رسی تان کر رابطہ کاٹ ڈالنے کے ایک معنیٰ تو عربی محاورے کے مطابق پھانسی دے کر گلا گھونٹنے کے ہوتے ہیں۔ اگر یہاں یہ معنیٰ مراد لیے جائیں، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں تو اس صورت میں آسمان سے مراد اوپر کی سمت یعنی چھت مراد ہو گی اور آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ ایسا شخص جس کا خیال تھا کہ آنحضرت ﷺ کو کسی قسم کی کامیابی حاصل نہیں ہو گی، اس کا یہ خیال نہ تو پورا ہوا ہے، نہ ہو گا۔ اس پر اگر اسے غصہ اور جھنجلاہٹ ہے تو وہ چھت کی طرف ایک رسی تان کر اپنے آپ کو پھانسی دے اور اپنا گلا گھونٹ لے۔

اور آسمان تک رسی تان کر رابطہ کاٹ لینے کی ایک دوسری تشریح حضرت جابر بن زید سے منقول ہے اور وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کو جو کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں، ان کا سرچشمہ وہ وحی ہے جو آپ پر آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ اب اگر کسی شخص کو ان کامیابیوں پر غم و غصہ ہے اور وہ ان کامیابیوں کا راستہ روکنا چاہتا ہے تو اس کا ایک ہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی رسی تان کر آسمان تک جائے، اور وہاں آں حضرت ﷺ کا وہ رابطہ کاٹ دے جس کے ذریعے آپ پر وحی آ رہی ہے، اور کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات کسی کے بس میں نہیں ہے۔ اس لیے آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کو مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو سکتا" ۔(روح المعاني)"[25]

یہاں مصنف نے صحابہ کے آثار کو آیت کی تفسیر میں پیش کیا ہے جو ان کے ہاں ایک وجہِ ترجیح ہے۔

4- سورۂ رعد میں ارشادِ باری ہے: {اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا}[الرعد2:13]

اس کے ترجمہ و تفسیر میں مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"اللہ وہ ہے جس نے ایسے ستونوں کے بغیر آسمانوں کو بلند کیا جو تمھیں نظر آ سکیں۔"

"یعنی یہ آسمان ایسے ستونوں پر نہیں کھڑے ہیں جو آنکھوں سے نظر آ سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ ہی کے سہارے انھیں کھڑا کیا ہوا ہے۔ آیت کی یہ تفسیر حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے۔(روح المعاني110:13)"[26]

یہ تفسیر حضرت ابنِ عباس کے شاگرد امام مجاہد تابعی کی ہے اور مولانا تقی عثمانی نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

---

[25]- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 659، 660۔

[26]- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 495۔

5- سورۂ نحل میں ارشاد ہے:{أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ}[النحل:47]

اس کا ترجمہ و تفسیر مولانا تقی عثمانی کے نزدیک حسبِ ذیل ہے جس میں انھوں نے صراحت کی ہے کہ یہ تفسیر متعدد صحابہ اور تابعین کی ہے۔

"یا انھیں اس طرح گرفت میں لے لے کہ وہ دھیرے دھیرے گھٹتے چلے جائیں؟"

"یعنی ایک دم سے تو عذاب آ کر انھیں ہلاک نہ کرے، لیکن اپنی بد عملی کی سزا میں دھیرے دھیرے ان کی افرادی قوت اور ان کا مال و دولت گھٹتا چلا جائے۔ یہ تفسیر روح المعانی میں متعدد صحابہ اور تابعین سے منقول ہے۔"[27]

6- سورۂ انبیا میں اللہ کا ارشاد ہے:{ أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ }[الأنبياء21:30]

اس کا ترجمہ و تفسیر مصنف کے نزدیک حسبِ ذیل ہے:

"جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، کیا انھیں یہ معلوم نہیں ہے کہ سارے آسمان اور زمین بند تھے، پھر ہم نے انھیں کھول دیا۔ اور پانی سے ہر جان دار چیز پیدا کی ہے۔ کیا پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے؟"

"اکثر مفسرین کی تفسیر کے مطابق اس آیت میں آسمان کے بند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے بارش نہیں ہوتی تھی اور زمین کے بند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے کوئی پیداوار نہیں ہوتی تھی اور ان دونوں کو کھولنے کا مطلب یہ ہے کہ آسمان سے پانی برسنے لگا اور زمین سے سبزیاں اگنے لگیں۔ یہ تفسیر متعدد صحابہ اور تابعین سے منقول ہے، لیکن دوسرے بعض مفسرین نے اس کی یہ تفسیر بھی کی ہے کہ آسمان اور زمین دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے اور یک جان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو الگ الگ کیا۔"[28]

یہاں بظاہر مصنف کے نزدیک پہلی تفسیر راجح ہے، کیوں کہ یہ متعدد صحابہ اور تابعین سے منقول ہے، البتہ انھوں نے دوسری تفسیر کا احتمال بھی ذکر کیا ہے۔ عہدِ جدید میں اس تفسیر سے **Big Bang** کے تصور کو تقویت ملتی ہے، چناں چہ قرآن کی سائنسی تفسیر کا رجحان رکھنے والے مصنفین کے لیے یہ تفسیر مفید مطلب ہے۔

3- عربیت کی بنیاد پر ترجیح

مولانا تقی عثمانی کی وجوہِ ترجیح میں ایک چیز عربیت یعنی نحوی قواعد اور لغوی احتمالات ہیں۔ اسے وہ مختلف مقامات پر صراحت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ اس سلسلے کی بعض امثلہ حسبِ ذیل ہیں:

1- سورۂ ہود میں ارشادِ باری ہے:{فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ}[ہود11:12]

27- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 541۔

28- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 642۔

Al-Milal (July-December 2025)
Vol. 7, No. 2 ISSN: 2663-4392

(پھر (اے پیغمبر) جو وحی تم پر نازل کی جارہی ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ تم اس کا کوئی حصہ چھوڑ بیٹھو؟)

مولانا تقی عثمانی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "واضح رہے کہ یہ ترجمہ بعض مفسرین کے اس قول پر مبنی ہے: قيل إن لعل هنا ليست للترجي بل للتبعيد.... وقيل: إنها للاستفهام الإنكاري. (روح المعاني، ج12، ص307و706)[29]

مطلب یہ ہے کہ یہاں حروفِ مشبہ بالفعل میں سے لعل اپنے معروف وضعی معنیٰ ترجی کے لیے نہیں آیا، بلکہ اس سے معاملے کا استبعاد دکھانا مقصود ہے۔ یہ اس کا وضعی معنیٰ نہیں ہے۔۔۔ بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ یہ ادات یہاں استفہامِ انکاری کے لیے ہے۔ مولانا تقی عثمانی نے یہاں لعل کے پہلے نحوی استعمال کو سامنے رکھتے ہوئے یہ ترجمہ کیا ہے: "کیا یہ ممکن ہے۔۔؟" یہ معنیٰ یہاں اس بات کے استبعاد کو ثابت کر رہا ہے کہ پیغمبر سے وحی کا کوئی حصہ چھوڑنا ممکن اور بعید ہے۔ یہ ترجیح عربیت کی بنیاد پر اختیار کی گئی ہے۔

2- سورۂ ہود میں ارشادِ خداوندی ہے: {قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ} [ہود: 73]

اس کے ترجمہ و تفسیر میں مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں: "فرشتوں نے کہا: "کیا آپ اللہ کے حکم پر تعجب کر رہی ہیں؟ آپ جیسے مقدس گھرانے پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہی برکتیں ہیں۔۔۔"

> یہ ترجمہ "اہل البیت" کو عربی گرامر کے قاعدے سے منصوب علی المدح قرار دینے پر مبنی ہے۔ ترجمے میں "مقدس" کا لفظ بھی اسی لیے بڑھایا گیا ہے۔ اس کا دوسرا ترجمہ اس طرح بھی ممکن ہے کہ: "اے اہلِ بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔"[30]

اس ترجمہ و تفسیر میں مصنف نے دو احتمالات پیش نظر رکھے ہیں جن کا تعلق عربیت کے قواعد کے ساتھ ہے۔ پہلا احتمال یہ ہے کہ آیت میں وارد لفظ أَهْلَ الْبَيْتِ مقامِ مدح پر وارد ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس بنیاد پر ترجمے میں "آپ جیسے مقدس گھرانے پر" کے الفاظ لائے ہیں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہاں یہ لفظ منادیٰ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس سے پہلے حرفِ ندا یا محذوف ہے۔ چناں چہ مصنف نے اس احتمال کو پیش نظر رکھتے ہوئے دوسرا ممکنہ ترجمہ یوں کیا ہے: "اے اہلِ بیت!۔۔۔"

3- سورۂ رعد میں اللہ کا ارشاد ہے: {أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ} [الرعد: 33]

اس کے ترجمہ و تفسیر میں مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"بھلا بتاؤ کہ ایک طرف وہ ذات ہے جو ہر ہر شخص کے ہر ہر کام کی نگرانی کر رہی ہے اور دوسری طرف ان لوگوں نے اللہ کے ساتھ شریک مانے ہوئے ہیں۔"

29- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 442۔

30- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 454۔

"یہ ترجمہ اس تفسیر پر مبنی ہے جو امام رازیؒ اور علامہ آلوسیؒ نے "حل العقد" کے مصنف کے حوالے سے بیان کی ہے۔ اس تفسیر کے مطابق "مَنْ هُوَ قَائِمٌ" کی خبر "موجود" ہے جو محذوف ہے اور "جَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ" جملہ حالیہ ہے۔ بندے کو یہ ترکیب دوسرے احتمالات کے مقابلے میں بہتر معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم۔"[31]

مصنف نے یہاں جو ترجمہ کیا ہے، اس کی بنیاد عربیت کا اصول ہے، چناں چہ انھوں نے آیت کی نحوی ترکیب میں ایک احتمال کو راجح قرار دے کر باقی احتمالات کو ترک کیا ہے اور راجح احتمال کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

4- سورۂ حجر میں اللہ کا ارشاد ہے: {كَذَٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ}[الحجر:12]

مولانا تقی عثمانی اس کے ترجمہ و تفسیر میں لکھتے ہیں: "مجرم لوگوں کے دل میں یہ بات ہم اسی طرح داخل کرتے ہیں۔"

"یہ بات" سے قرآنِ کریم بھی مراد ہو سکتا ہے، یعنی قرآنِ کریم ان کے دلوں میں داخل تو ہوتا ہے، لیکن ان کے مجرمانہ طرزِ عمل کی وجہ سے وہ انھیں ایمان کی دولت نہیں بخشتا۔ اور "یہ بات" سے ان کے مذاق اڑانے کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ یعنی ان کے مجرمانہ طرزِ عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور کفر و بغاوت اور استہزا ان کے دلوں میں داخل کر دیا ہے جس کے نتیجے میں وہ ایمان نہیں لاتے۔[32]

یہاں مصنف نے نَسْلُكُهُ میں ضمیر منصوب متصل غائب کے دو مراجع بتائے ہیں: قرآنِ کریم یا کفار کا مذاق؛ اور اس کے مطابق دونوں تفسیری احتمالات کو بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک عربیت کے اس قاعدے کی رو سے یہ دونوں تفسیریں درست ہیں۔

5- سورۂ حجر میں اللہ کا ارشاد ہے: {وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ}[الحجر:20]

مولانا تقی عثمانی اس کے ترجمہ و تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اور اس میں تمھارے لیے بھی روزی کے سامان پیدا کیے ہیں، اور ان (مخلوقات) کے لیے بھی جنھیں تم رزق نہیں دیتے۔"

"عربی گرامر کی رو سے اس آیت کا ترجمہ ایک اور طرح بھی ممکن ہے اور وہ یہ کہ: "ہم نے تمھارے فائدے کے لیے اس (زمین) میں روزی کے سامان بھی پیدا کیے ہیں اور وہ مخلوقات بھی پیدا کی ہیں جن کو تم رزق نہیں دیتے۔"[33]

31- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 504، 505۔

32- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 533۔

33- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 524، 525۔

Al-Milal (July-December 2025)
Vol. 7, No. 2 ISSN: 2663-4392

یہاں مصنف نے جو دوسرا ممکنہ ترجمہ بیان کیا ہے، نحوی اعتبار سے اس کی اصل یہ ہے کہ اس میں مصنف نے لَکُمۡ کے لام کو نفع کے معنیٰ پر محمول کرتے ہوئے "تمھارے فائدے کے لیے" کا ترجمہ کیا ہے۔ دوسرا نحوی احتمال اس آیت میں یہ ہے کہ مَنۡ لَّسۡتُمۡ لَهٗ بِرٰزِقِیۡنَ کا عطف لَکُمۡ کی ضمیرِ مجرور پر نہ ہو (جس کی رو سے پہلا ترجمہ کیا گیا ہے۔) بلکہ اس کا عطف لفظِ مَعَایِشَ پر ہو جو جَعَلۡنَا فعل کے لیے مفعول بہ ہے۔

4- بغیر ترجیح کے مختلف تفاسیر ذکر کرنا

مفسرین اکثر ایک آیت کے مصداقات میں مختلف اقوال ذکر کرتے ہیں، لیکن یہ اختلاف تنوع کی قبیل سے ہوتا ہے، نہ کہ تضاد کی قبیل سے۔ اس صورت میں یہ تمام احتمال تفسیر میں مراد ہوتے ہیں اور کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جاتی۔ اس کی وجہ زبان کا مزاج ہے کہ اس کی دلالات میں توسع ہوتا ہے۔ مفسرین عام طور پر اس طرح کے اختلافات کو نقل کرتے ہوئے تین طریقے اختیار کرتے ہیں: پہلا طریقہ یہ ہے کہ وہ اختلاف نقل کر دیتے ہیں لیکن ان میں ترجیح بیان نہیں کرتے، جیسے تفسیرِ ماوردی اور تفسیر ابن جوزی۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ اختلاف کو راجح قول کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، لیکن ترجیح کی بنیاد نہیں بتاتے، جیسے تفسیر ابنِ عطیہ۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ اختلاف کو راجح قول کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور ساتھ ترجیح کی اساس بھی ذکر کرتے ہیں جیسے ابنِ جریر طبری اور شنقیطی۔[34]

مولانا تقی عثمانی بھی اکثر اس طرح کے ایک سے زائد اقوال نقل کر دیتے ہیں، لیکن ان کے درمیان کوئی ترجیح قائم نہیں کرتے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ سارے ہی احتمال مراد ہوسکتے ہیں۔ اس طرزِ تفسیر کی مثالیں ان کے ہاں بہت ہیں۔ ان میں سے بعض یہاں درج کی جاتی ہیں:

1- سورۂ ہود میں اللہ کا ارشاد ہے: { قَالُوا يَاشُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ }[هود:87]

مولانا تقی عثمانی اس کے ترجمہ و تفسیر میں لکھتے ہیں:

واقعی تم بڑے عقل مند، نیک چلن آدمی ہو۔ یہ جملہ انھوں نے طنز کے طور پر بولا تھا۔ البتہ بعض مفسرین نے اسے حقیقی معنیٰ میں قرار دے کر اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ تم تو ہمارے درمیان ایک عقل مند اور نیک چلن آدمی کی حیثیت سے مشہور ہو۔ تم نے ایسی باتیں کیوں شروع کر دیں ہیں؟[35]

34- مساعد بن سليمان الطيار، فصول في أصول التفسير (الدمام: دار ابن الجوزي، 1438ء)، 127۔

35- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 457۔

2- سورۂ یوسف میں ارشادِ ربانی ہے:{قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَن يَأْتِيَكُمَا ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي}[یوسف:37]

مولانا تقی عثمانی اس کے ترجمہ و تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یوسف نے کہا: جو کھانا تمھیں (قید خانے میں) دیا جاتا ہے وہ ابھی آنے نہیں پائے گا کہ میں تمھیں اس کی حقیقت بتادوں گا۔ یہ اس علم کا حصہ ہے جو میرے پروردگار نے مجھے عطا فرمایا ہے۔"

"اس کا مطلب بعض مفسرین نے تو یہ بتایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے انھیں اطمینان دلایا کہ میں تمھارے ان خوابوں کی تعبیر ابھی تھوڑی دیر میں بتادوں گا اور جو کھانا تمھیں جیل سے ملنے والا ہے اس کے تمھارے پاس پہنچنے سے پہلے ہی بتادوں گا۔ اور بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا علم عطا فرمایا ہے کہ جو کھانا تمھیں جیل سے ملنے والا ہو، اس کے آنے سے پہلے ہی میں تمھیں بتا سکتا ہوں کہ اس مرتبہ کون سا کھانا تمھیں دیا جائے گا۔"[36]

3- سورۂ یوسف میں ارشادِ باری ہے:{فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ}[یوسف:70]

مولانا تقی عثمانی اس کے ترجمہ و تفسیر میں لکھتے ہیں:

"پھر جب یوسف نے ان کا سامان تیار کر دیا تو پانی پینے کا پیالہ اپنے (سگے) بھائی کے کجاوے میں رکھوا دیا، پھر ایک منادی نے پکار کر کہا کہ: "اے قافلے والو! تم چور ہو۔"

"یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود اپنی طرف سے پیالہ ان کے سامان میں رکھنے کے بعد اتنے وثوق کے ساتھ ان کو چور قرار دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں بعض حضرات نے تو یہ موقف اختیار کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے پیالہ خفیہ طور پر رکھوایا تھا اور جب عملے کے لوگوں کو پیالہ نہ ملا تو انھوں نے اپنی طرف سے ان لوگوں کو چور قرار دیا، حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے نہیں۔ لیکن جس سیاق میں قرآنِ کریم نے یہ واقعہ بیان فرمایا ہے، اس میں یہ احتمال بہت بعید معلوم ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ان کو چور قرار دینا ایک توریہ تھا اور ان کو چور اس معنیٰ میں کہا گیا تھا کہ انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بچپن میں اپنے والد سے چرا لیا تھا۔ تیسرے بعض مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ یہ تدبیر چوں کہ خود اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سکھائی تھی، جیسا کہ آگے آیت:76 میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ: "اس طرح ہم نے یوسف کی خاطر یہ تدبیر کی"، اس لیے جو کچھ ہوا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا اور جس طرح سورۂ کہف میں حضرت خضر علیہ السلام نے کئی کام بظاہر شریعت کے خلاف کیے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے تکوینی حکم سے تھے اس لیے ان کے لیے جائز تھے، اسی طرح یہاں حضرت یوسف علیہ السلام نے جو عمل کیا، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا اس لیے اس پر کوئی اشکال نہیں ہونا چاہیے۔"[37]

36- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 474۔

37- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 484۔

یہاں مصنف نے تین تفاسیر ذکر کی ہیں۔ پہلی تفسیر کو انھوں نے سیاق کی رو سے بعید قرار دیا ہے اور باقی دو تفاسیر کو ذکر کر کے کوئی حکم نہیں لگایا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ دونوں مرادی احتمالات ہیں۔

4- سورۂ حجر میں اللہ کا ارشاد ہے:{وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ}[الحجر:24]

مصنف اس کے ترجمہ و تفسیر میں لکھتے ہیں:

"تم میں سے جو آگے نکل گئے ہیں، ان کو بھی ہم جانتے ہیں، اور جو پیچھے رہ گئے ہیں، ان سے بھی ہم واقف ہیں۔"

"اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو قومیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں، ان کے حالات سے بھی ہم واقف ہیں اور جو قومیں آگے آنے والی ہیں، ان کے حالات سے بھی۔ اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ تم میں سے جو لوگ نیک کاموں میں دوسروں سے آگے بڑھ گئے ہیں، ان کو ہم جانتے ہیں، اور جو پیچھے رہ گئے ہیں، ان کو بھی"[38] یہاں بھی مصنف نے دو احتمالات بغیر ترجیح کے ذکر کیے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک دونوں ہی مراد ہیں۔

5- سورۂ حجر میں ارشاد خداوندی ہے:{وَإِن كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَظَالِمِينَ}[الحجر:78]

(اور اَیکہ کے باشندے (بھی) بڑے ظالم تھے۔)

اس کے تفسیری نوٹ میں مصنف لکھتے ہیں:

"ایکہ" اصل میں گھنے جنگل کو کہتے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام جس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے، وہ ایسے ہی گھنے جنگل کے پاس واقع تھی۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس بستی کا نام مدین تھا اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ مدین کے علاوہ کوئی اور بستی تھی اور حضرت شعیب علیہ السلام اس کی طرف بھی بھیجے گئے تھے۔"[39] یہاں بھی بستی کے نام بھی دو احتمالات کا ذکر بغیر ترجیح کے ہے۔

6- سورۂ نحل میں ارشادِ باری ہے:{وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ}[النحل41:16]

اس کے ترجمہ اور تفسیر میں مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"اور جن لوگوں نے دوسروں کے ظلم سہنے کے بعد اللہ کی خاطر اپنا وطن چھوڑا، یقین رکھو کہ انھیں ہم دنیا میں بھی اچھی طرح بسائیں گے اور آخرت کا اجر تو یقیناً سب سے بڑا ہے۔ کاش یہ لوگ جان لیتے۔

38- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 525۔

39- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 529۔

"کاش یہ لوگ جان لیتے سے" مراد بظاہر یہ مہاجرین ہی ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کو اس اجر کا علم ہو جائے تو بے وطن ہونے سے انھیں جو تکلیف ہو رہی ہے، وہ بالکل باقی نہ رہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ان سے مراد کافر لوگ ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کاش اس حقیقت کا علم ان کافروں کو بھی ہو جائے تو وہ اپنے کفر سے توبہ کر لیں۔"[40]

7- سورۂ نحل میں مزید ارشاد ہے: {وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ}[النحل16:112]

اس آیت کے ترجمہ و تفسیر کے ذیل میں مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"اللہ ایک بستی کی مثال دیتا ہے جو بڑی پر امن اور مطمئن تھی، اس کا رزق اس کو ہر جگہ سے بڑی فراوانی کے ساتھ پہنچ رہا تھا، پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری شروع کر دی، تو اللہ نے ان کے کرتوت کی وجہ سے ان کو یہ مزہ چکھایا کہ بھوک اور خوف ان کا پہننا اوڑھنا بن گیا۔"

"یہ اللہ تعالیٰ نے ایک عام مثال دی ہے کہ جو بستیاں خوش حال تھیں، جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور نافرمانی پر کمر باندھ لی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب کا مزہ چکھایا۔ لیکن بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد مکہ مکرمہ کی بستی ہے جس میں سب لوگ خوش حالی اور امن کے ساتھ رہ رہے تھے، لیکن جب انھوں نے آں حضرت ﷺ کو جھٹلایا تو ان پر سخت قسم کا قحط مسلط کر دیا گیا جس کے نتیجے میں لوگ چمڑا کھانے پر مجبور ہوئے۔ بعد میں انھوں نے آں حضرت ﷺ سے درخواست کی کہ آپ قحط دور ہونے کی دعا فرمائیں۔ چناں چہ وہ آپ کی دعا سے دور ہوا۔"[41]

8- {أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا}[الکھف:9]

اس آیت کے ترجمہ و تفسیر میں مصنف لکھتے ہیں:

"کیا تمھارا یہ خیال ہے کہ غار اور رقیم والے ہماری نشانیوں میں سے کچھ (زیادہ) عجیب چیز تھے؟"

"ان حضرات کو "اصحاب الکہف" (غار والے) کہنے کی وجہ تو ظاہر ہے کہ انھوں نے غار میں پناہ لی تھی۔ لیکن ان کو "رقیم والے" کیوں کہتے ہیں؟ اس کے بارے میں مفسرین کی رائیں مختلف ہیں۔ بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ "رقیم" اس غار کے نیچے والی وادی کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ "رقیم" تختی پر لکھے ہوئے کتبے کو کہتے ہیں اور ان حضرات کے انتقال کے بعد ان کے نام ایک تختی پر کتبے کی صورت میں لکھوا دیے گئے تھے، اس لیے ان کو "اصحاب الرقیم" بھی کہا جاتا ہے۔ تیسرے بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ اس پہاڑ کا نام ہے جس پر وہ غار واقع تھا۔ واللہ سبحانہ اعلم"[42]

5- معتبر مفسرین کی کسی منفرد تفسیر یا جمہور کی ترجیح کو اختیار کرنا

40- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 541۔

41- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 552، 553۔

42- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 581۔

Al-Milal (July-December 2025)
Vol. 7, No. 2 ISSN: 2663-4392

جس طرح مولانا تقی عثمانی بغیر ترجیح کے مختلف تفسیری اقوال ذکر کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سارے احتمالات ان کے ہاں تفسیر میں مراد ہیں، اسی طرح بعض اوقات وہ نمایاں مفسرین کی تفسیری آرا کو کسی خاص وجہ سے اختیار کرتے ہیں۔ کبھی وہ اس کا سبب ذکر کرتے ہیں اور کبھی اس کے بغیر ترجیح دے دیتے ہیں اور ساتھ ان مفسرین کے ناموں کی تصریح کر دیتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تفسیر ان کے ہاں راجح ہے۔اسی طرح وہ اکثر جمہور مفسرین کی تفسیرات کو بھی ترجیح دیتے ہیں اور اس کی تصریح بھی کر دیتے ہیں۔اس سلسلے کی بعض مثالیں یہاں درج کی جاتی ہیں:

1–سورۂ یوسف میں اللہ کا ارشاد ہے:{حَتَّى إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا}[یوسف: 110]

اس کا ترجمہ و تفسیر مولانا تقی عثمانی کے نزدیک حسبِ ذیل ہے:

”(پچھلے انبیا کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ ان کی قوموں پر عذاب آنے میں کچھ دیر لگی) یہاں تک کہ جب پیغمبر لوگوں سے مایوس ہو گئے اور کافر لوگ یہ سمجھنے لگے کہ انھیں جھوٹی دھمکیاں دی گئی تھیں تو ان پیغمبروں کے پاس ہماری مدد پہنچ گئی۔“

”اس آیت کا یہ ترجمہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے تابعین وغیرہ کی تفسیر پر مبنی ہے جسے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی طویل بحث کے بعد آخر میں راجح قرار دیا ہے۔ آیت کی دوسری تفسیریں بھی ممکن ہیں اور بعض مفسرین نے ان کو بھی اختیار کیا ہے، لیکن شاید یہ تفسیر جو ترجمے میں اختیار کی گئی ہے سب سے زیادہ بے غبار ہے۔“[43]

2- سورۂ یوسف میں ارشاد ہے:{وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا}[یوسف:100]

اس کا ترجمہ و تفسیر مولانا تقی عثمانی کے نزدیک حسبِ ذیل ہے:

”اور انھوں نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور وہ سب ان کے سامنے سجدے میں گر پڑے۔“

”حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی جو تفسیر مروی ہے، اس کے مطابق ان سب حضرات نے یہ سجدہ یوسف علیہ السلام کے سامنے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کے لیے کیا تھا، یعنی سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کو تھا، البتہ یوسف علیہ السلام کے سامنے اور ان کے مل جانے کی خوشی میں کیا تھا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے۔ البتہ دوسرے مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ عبادت کا نہیں بلکہ تعظیم کا ویسا ہی سجدہ تھا جیسا فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو کیا تھا اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا۔“[44]

اس آیت میں بظاہر مولانا تقی عثمانی کے نزدیک امام رازیؒ کی تفسیر راجح ہے، اسی وجہ سے انھوں نے ان کے نام کی صراحت کر کے ترجیحی قول کو ذکر کیا، اگرچہ دوسرے مفسرین کی تفسیر کو بھی انھوں نے ذکر کیا ہے۔

43- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 492۔

44- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 490۔

3- سورۂ ابراہیم میں ارشادِ باری ہے:{يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ}[ابراہیم17:14]

اس کا ترجمہ و تفسیر مصنف کے نزدیک حسبِ ذیل ہے:

"وہ اسے گھونٹ گھونٹ کر پیے گا اور اسے ایسا محسوس ہو گا کہ وہ اسے حلق سے اتار نہیں سکے گا۔"

یہ ترجمہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان فرمائی ہوئی ایک تفسیر پر مبنی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انھیں محسوس ہو گا کہ وہ اس پانی کو حلق سے اتار نہیں سکیں گے، لیکن گھونٹ گھونٹ کر کے بڑی مشکل سے اور بڑی دیر سے وہ حلق سے اترے گا۔ (45)

4- سورۂ حجر میں اللہ کا ارشاد ہے:{وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ}[الحجر:16]

اس کا ترجمہ و تفسیر مصنف کے نزدیک حسبِ ذیل ہے جس میں انھوں نے اکثر مفسرین کے رائے کے مطابق بروج سے ستارے مراد لیے ہیں۔

"اور ہم نے آسمان میں بہت سے برج بنائے ہیں، اور اس کو دیکھنے والوں کے لیے سجاوٹ عطا کی ہے۔"

برج اصل میں تو قلعے کو کہتے ہیں، لیکن اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں بروج سے مراد ستارے ہیں۔

یعنی آسمان ستاروں سے سجا ہوا نظر آتا ہے۔ یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ قرآنِ کریم نے "آسمان" کا لفظ مختلف مقامات پر مختلف معنیٰ میں استعمال کیا ہے۔ کہیں اس سے مراد ان سات آسمانوں میں سے کوئی آسمان ہوتا ہے جن کے بارے میں قرآنِ کریم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اوپر تلے پیدا فرمایا ہے۔ اور کہیں اس سے اوپر کی سمت مراد ہوتی ہے، چناں چہ آگے آیت نمبر 22 میں جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ آسمان سے پانی ہم نے اتارا ہے، وہاں آسمان سے یہی معنیٰ مراد ہیں۔ بظاہر اس آیت میں بھی یہی معنیٰ مراد ہیں۔ (46)

5- سورۂ مریم میں ارشادِ باری ہے:{فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا}[مریم17:19]

اس کے ترجمہ و تفسیر میں مصنف لکھتے ہیں:

"پھر انھوں نے ان لوگوں کے اور اپنے درمیان ایک پردہ ڈال لیا۔"

علاحدہ جا کر پردہ ڈالنے کی وجہ بعض مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ وہ غسل کرنا چاہتی تھیں، اور بعض نے کہا ہے کہ عبادات کے لیے تنہائی اختیار کرنا مقصود تھا۔ علامہ قرطبی نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ (47)

45- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 513۔

46- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 523، 524۔

47- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 606۔

یہاں مصنف نے دو تفسیریں ذکر کی ہیں اور دوسری کی صراحت علامہ قرطبیؒ کے نام سے کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تفسیر ان کے ہاں بھی راجح ہے۔

6- سورۂ نور میں ارشاد ہے:{الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ}[النور3:24]

اس کے ترجمہ و تفسیر میں مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں:

> "زانی مرد نکاح کرتا ہے تو زناکار یا مشرک عورت ہی سے نکاح کرتا ہے، اور زناکار عورت سے نکاح کرتا ہے تو وہی مرد جو خود زانی ہو، یا مشرک ہو، اور یہ بات مؤمنوں کے لیے حرام کر دی گئی ہے۔"
>
> "یعنی جو شخص بدکاری کا عادی ہو، اور اس پر شرمندہ ہو، نہ توبہ کرتا ہو، اس کا مزاج ایسی ہی عورت سے ملتا ہے جو بدکار ہو، اس لیے اول تو وہ بدکاری ہی کی کوشش میں رہتا ہے، اور اگر نکاح کرنا پڑ جائے تو وہ نکاح بھی ایسی ہی بدکار عورت سے کرنا چاہتا ہے، چاہے وہ مشرک ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح جو عورت اسی طرح کی عادی بدکار ہو اس کا مزاج بھی بدکار مرد ہی سے ملتا ہے، اس لیے اس سے نکاح وہی کرتا ہے جو خود بدکاری کا عادی رہا ہو، اور اسے اس بات سے کوئی شرم محسوس نہ ہوتی ہو کہ اس کی بیوی بدکاری میں ملوث ہے اور وہ خود بھی ایسے ہی مرد کو پسند کرتی ہے، چاہے وہ مشرک ہی کیوں نہ ہو۔"
>
> "یعنی بدکار مرد یا عورت کو نکاح کے لیے پسند کرنا مسلمانوں کے لیے حرام ہے۔ انھیں چاہیے کہ وہ اپنے لیے شریکِ زندگی تلاش کرتے وقت اس کی نیکی اور پاک دامنی کا ضرور خیال رکھیں۔ یہ اور بات ہے کہ کسی نے کسی بدکار مرد یا عورت سے نکاح کر لیا تو اس نکاح کو باطل نہیں کہا جائے گا اور اس پر نکاح کے تمام احکام جاری ہوں گے، لیکن اس غلط انتخاب کا گناہ ضرور ہوگا۔ یہ بھی واضح رہے کہ یہ حکم ان عادی بدکاروں کا ہے جنھوں نے اپنے گناہ سے توبہ نہ کی ہو۔ لیکن اگر کسی نے توبہ کر لی تو پھر اس کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس آیت کی تشریح اس کے علاوہ بھی دوسرے طریقوں سے کی گئی ہے، لیکن جو تشریح یہاں لکھی گئی ہے وہ آسان اور بے غبار ہے۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی بیان القرآن میں اسی کو ترجیح دی ہے۔"(48)

اس تفسیر میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کی اختیار کردہ تفسیر مصنف کے نزدیک زیادہ آسان اور بے غبار ہے اس لیے انھوں نے اس کی صراحت کی ہے۔

7- سورۂ فرقان میں ارشادِ خداوندی ہے:{لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا}[الفرقان14:25]

مصنف نے اس کے ترجمہ و تفسیر میں لکھا ہے:"اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ:) آج تم موت کو صرف ایک بار نہ پکارو، بلکہ بار بار موت کو پکارتے ہی رہو۔"

48- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 688۔

"یہ ترجمہ مشہور مفسر ابو السعودؒ کی تفسیر پر مبنی ہے جسے علامہ آلوسی نے بھی نقل فرمایا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کی جس شدت سے گھبرا کر تم موت کو پکار رہے ہو، وہ تو آنے والی نہیں ہے، بلکہ تمھیں بار بار نت نئے عذاب سے سابقہ پڑے گا، اور ہر مرتبہ تمھیں اس کی شدت سے گھبرا کر موت کو پکارنا پڑے گا۔"[49]

8- سورۃ الشعراء میں ارشادِ باری ہے: {أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ} [الشعراء:128]

اس کے ترجمہ و تفسیر میں مصنف لکھتے ہیں: "کیا تم ہر اونچی جگہ پر کوئی یادگار بنا کر فضول حرکتیں کرتے ہو؟"

"فضول حرکتوں کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہر بلند جگہ پر کوئی یادگار تعمیر کرنے کو ہی فضول حرکت کہا گیا ہے، کیوں کہ اس کا کوئی صحیح مقصد نہیں تھا، بلکہ محض دکھاوے اور بڑائی کے اظہار کے لیے یہ کام کیا جاتا تھا۔ دوسری تشریح بعض مفسرین، مثلاً حضرت ضحاکؒ نے یہ کی ہے کہ وہ لوگ ان اونچی تعمیروں پر بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر نیچے سے گزرنے والوں کے ساتھ طرح طرح کی ناشائستہ حرکتیں کیا کرتے تھے۔ اس کو فضول حرکت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (روح المعاني)"[50]

ان سارے مقامات میں مصنف نے بالعموم جمہور مفسرین کی تفسیر کو یا کسی دیگر معتبر مفسر کی تفسیر کو ترجیح دی ہے۔

6- مقامِ نبوت کا پاس کرتے ہوئے ترجیح قائم کرنا

1- سورۂ طہ میں ارشاد ہے: {وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا} [طه20:115]

اس کا ترجمہ و تفسیر مولانا تقی عثمانی کے نزدیک یہ ہے: "اور ہم نے اس سے پہلے آدم کو ایک بات کی تاکید کی تھی، پھر ان سے بھول ہو گئی اور ہم نے ان میں عزم نہیں پایا۔"

"یہاں آدم علیہ السلام کے بارے میں جو فرمایا گیا ہے کہ ہم نے ان میں عزم نہیں پایا، اس کا ایک مطلب بعض مفسرین نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ان سے درخت کا پھل کھانے کے سلسلے میں جو غلطی ہوئی، اس میں ان کے عزم کو دخل نہیں تھا۔ یعنی انھوں نے نافرمانی کے ارادے سے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی، بلکہ ان سے بھول ہو گئی۔ اور دوسرے مفسرین نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ ان میں ایسا پختہ عزم نہیں تھا کہ شیطان کے بہکائے میں نہ آتے۔ اس سے انسان کی اس سرشت کی طرف اشارہ ہے جس میں شیطان اور نفس کے بہکائے میں آنے کی صلاحیت موجود ہے۔ چوں کہ قرآنِ کریم نے عزم کی نفی کو بھول ہو جانے کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے، اس لیے یہاں پہلے معنیٰ زیادہ بہتر معلوم ہوتے ہیں۔"[51]

یہی ترجیح ہمیں پیر کرم شاہ الازہریؒ کی تفسیر ضیاء القرآن میں ملتی ہے۔ وہ آیت کے اس ٹکڑے کا ترجمہ کرتے ہیں: "اور نہ پایا ہم نے (اس لغزش میں) اس کا کوئی قصد۔"[52]

49- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 709۔

50- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 729۔

51- تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 632۔

52- محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن (لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، 2011ء)، 3:140۔

اس پر ان کا حاشیہ یہ ہے:

"آیت کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ آدم علیہ السلام سے جو حکم عدولی ہوئی اس میں ان کے عزم کا دخل نہیں کہ آپ نے اپنے ارادہ اور مرضی سے اس درخت کا پھل کھایا ہو، دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ حکم الٰہی پر ثابت قدم رہنے کی آپ میں ہمت نہ تھی۔ شیطان نے جب دل میں وسوسہ ڈالا تو آپ فوراً اس کے فریب میں آگئے۔ اگرچہ بعض حضرات نے آیت کے اس مفہوم کو ترجیح دی ہے لیکن اس احقر کے نزدیک پہلا معنیٰ زیادہ مناسب ہے۔ کیوں کہ فنسي کا لفظ اس طرف اشارہ کر رہا ہے۔ وقیل معنی الآیۃ لم نجد بہ عزما أي قصدا علی أکل الشجرۃ بل أکل ناسیا. (مظہری) یعنی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آپ نے قصداً اس درخت کا پھل نہیں کھایا بلکہ بھول کر کھا بیٹھے۔"[53]

تاہم مولانا مودودیؒ نے اس تفسیر پر نقد کیا ہے؛ وہ لکھتے ہیں:

"بعض لوگوں نے "اس میں عزم نہ پایا،" کا مطلب یہ لیا ہے کہ "ہم نے اس میں نافرمانی کا عزم نہ پایا،" یعنی اس نے جو کچھ کیا بھولے سے کیا، نافرمانی کے عزم کی بنا پر نہ کیا۔ لیکن یہ خواہ مخواہ کا تکلف ہے۔ یہ بات اگر کہنی ہوتی تو لم نجد بہ عزما علی العصیان کہا جاتا نہ کہ محض لم نجد بہ عزما. آیت کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ فقدانِ عزم سے مراد اطاعتِ حکم کے عزم کا فقدان ہے، نہ کہ نافرمانی کے عزم کا فقدان۔ علاوہ بریں اگر موقع و محل اور سیاق سباق کی مناسبت کو دیکھا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کی پوزیشن صاف کرنے کے لیے یہ قصہ بیان نہیں کر رہا ہے، بلکہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ وہ بشری کمزوری کیا تھی جس کا صدور ان سے ہوا اور جس کی بدولت صرف وہی نہیں بلکہ ان کی اولاد بھی اللہ تعالیٰ کی پیشگی تنبیہات کے باوجود اپنے دشمن کے پھندے میں پھنسی اور پھنستی رہی ہے۔ مزید بر آں جو شخص بھی خالی الذہن ہو کر اس آیت کو پڑھے گا اس کے ذہن میں پہلا مفہوم ہی آئے گا کہ "ہم نے اس مین اطاعتِ امر کا عزم یا مضبوط ارادہ نہ پایا۔ دوسرا مفہوم اس کے ذہن میں اس وقت تک نہیں آسکتا جب تک وہ آدم علیہ السلام کی طرف معصیت کی نسبت کو نامناسب سمجھ کر آیت کے کسی اور معنیٰ کی تلاش شروع نہ کر دے۔ یہی رائے علامہ الوسی نے بھی اس موقع پر اپنی تفسیر میں ظاہر فرمائی ہے۔ وہ کہتے ہیں: "لکن لا یخفی علیک أن ھذا التفسیر غیر متبادر ولا کثیر المناسبۃ للمقام." "مگر تم سے یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی کہ یہ تفسیر آیت کے الفاظ سن کر فوراً ذہن میں نہیں آتی اور نہ موقع و محل کے ساتھ کچھ زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔" (ملاحظہ ہو روح المعاني، جلد 16، صفحہ 243۔)[54]

2- سورۂ یوسف میں ارشادِ باری ہے: {وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَن رَّأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ} [یوسف:24]

اس کے ترجمہ و تفسیر میں مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"اس آیت کی تفسیر دو طریقے سے ممکن ہے۔ ایک یہ کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام اپنے رب کی طرف سے انھیں ایک دلیل نہ دیکھ لیتے تو ان کے دل میں بھی اس عورت کی طرف جھکاؤ پیدا ہو جاتا، لیکن چوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے

53- الازہری، نفس مرجع، 3:140، 141۔

54- سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 2010ء)، 130، 131۔

Al-Milal (July-December 2025)
Vol. 7, No. 2 ISSN: 2663-4392

انھیں ایک دلیل نظر آگئی (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے)، اس لیے ان کے دل میں اس عورت کے بارے میں کوئی برا خیال تک نہیں آیا۔ اور دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ شروع میں ان کے دل میں بھی تھوڑا سا میلان پیدا ہوا تھا جو ایک بشری تقاضا ہے، مگر بقول حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، اس کی بہترین مثال ایسی ہے جیسے پیاس کی حالت میں روزہ دار کو ٹھنڈا پانی دیکھ کر طبعی طور پر اس کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے، لیکن روزہ توڑنے کا بالکل ارادہ نہیں ہوتا، اسی طرح غیر اختیاری طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی میلان پیدا ہوا، اور اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے تو یہ میلان بڑھ سکتا تھا، لیکن اپنے رب کی دلیل دیکھنے کے بعد وہ غیر اختیاری جھکاؤ سے آگے نہیں بڑھا۔ زیادہ تر مفسرین نے اس دوسری تفسیر کو اس لیے اختیار کیا ہے کہ اول تو یہ عربی قواعد کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہے، دوسرے اس سے حضرت یوسف علیہ السلام کے مقامِ بلند کا مزید اندازہ ہوتا ہے۔ اگر ان کے دل میں یہ غیر اختیاری خیال بھی پیدا نہ ہوتا تو گناہ سے بچنا اتنا مشکل نہیں تھا، لیکن اس جھکاؤ کے باوجود اپنے آپ کو بچانا زبردست اُولوالعزمی کے بغیر ممکن نہیں ہے اور قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دل کے تقاضے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے خوف سے اپنے آپ پر قابو رکھنا اور گناہ سے بچنا بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔"[55]

ان آیات کی تفسیر میں مصنف کا رجحان ان تفسیری ترجیحات کی طرف نظر آتا ہے جو منصبِ نبوت کے مقامِ عالی کے زیادہ لائق ہیں۔

مذکورہ بالا چھ عنوانات کے تحت اس مقالے میں کوشش کی گئی ہے کہ مولانا تقی عثمانی کے ہاں تفسیری ترجیحات کی مختلف صورتوں کا احاطہ کیا جائے۔ ان عنوانات میں تفسیر کے مزید استیعاب سے ممکن ہے دیگر عناوین بھی شامل کیے جا سکیں، لیکن مقالہ نگار کے تتبع و تلاش سے بنیادی اہمیت کے عنوانات اس مقالے میں آگئے ہیں۔ ان ترجیحات سے یہ بات واضح ہے کہ مصنف نے شروع میں جو اپنا منہجِ ترجیح بیان کیا ہے، وہ اس کے پابند رہے ہیں اور کسی ذاتی پسند ناپسند یا تفسیر بالرائے کو ترجیح میں دخل نہیں دیا؛ اس لیے یہ کہنا مناسب ہو گا کہ مصنف جمہور اہلِ سنت کے مواقف کی اپنی تفسیر میں پاس داری کرتے ہیں۔

---

[55] تقی عثمانی، مصدرِ سابق، 471۔